مجلس عاملہ جرمنی کے اظہار ندامت پر معافی کا اعلان

سیرت طیبہ ؐ کی روشنی میں دعوت الی اللہ کریں۔

سیکرٹریان مال کی طرح کھاتے بنائیں۔

خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ / دسمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں مضمون کو آگے بڑھانے سے پہلے ضمناً جرمنی میں ہونے والے اس واقعہ سے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کے متعلق مجھے ایک نصیحت کا خطبہ دینا پڑا اور سمجھانا پڑا کہ اس قسم کے واقعات ہیں جو نظام جماعت کو کمزور کر سکتے ہیں، خطرے میں ڈال سکتے ہیں اور امارت کے وقار کو گہرا نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے ان کو سمجھیں غور کر کے ان سے عبرت حاصل کریں اور آئندہ اپنے لائحہ عمل کے وقت ہمیشہ اپنی نگرانی کریں، اپنے معاملات میں ہمیشہ اپنی نگرانی کریں کہ اس قسم کی ٹھوکریں آپ نہ کھائیں۔ یہ مقصد تھا جس کی وجہ سے وہ خطبات دیئے گئے ذاتی طور پر کسی کو متہم کرنا اور ذاتی طور پر کسی کو ساری دنیا میں رسوا کرنا ہرگز مقصد نہیں تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کیونکہ ایسا خیال ہی میرے لئے بہت مکروہ ہے لیکن چونکہ مثالیں حقیقی پیش کرنی تھیں اور یہ مجبوری تھی کہ بجائے اس کے کہ فرضی واقعات گھڑ کر جماعت کے سامنے نمونۃً رکھتا عملاً جو واقعات گزرے ان کی مثال دینی تھی اس لئے بغیر نام لئے عہدوں کا ذکر کر کے یا بعض لوگوں کے متعلق

یہ کہہ کر کہ بعضوں نے ایسا کیا ان کا عمومی ذکر کیا تھا اس سے جماعت کو یہ سمجھ جانا چاہئے تھا کہ انفرادی طور پر ان لوگوں کو حقارت کا، تحقیر کا نشانہ نہ بنائیں اور طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں خود نصیحت پکڑیں لیکن ان کو ذلیل اور رسوا نہ سمجھیں۔

عموماً یہی ردّعمل جماعت کی طرف سے ظاہر ہوا ہے لیکن بعض لوگ جو عہدوں کے متعلق جانتے تھے کہ یہ عہدہ کس کے سپرد ہے انہوں نے کچھ ضرورت سے زیادہ اسے ذاتی مسئلہ بنا لیا اور مجھے جو خطوط ملنے شروع ہوئے ان میں بھی یہ رجحان تھا کہ بہت سختی اور نفرت کے ساتھ ہم نے ان واقعات کو اور اس طرز عمل کو ردّ کرتے ہیں۔ طرز عمل کو ردّ کرنا تو درست ہے لیکن جن اشخاص سے یہ باتیں رونما ہوئیں ان کے متعلق تحقیر آمیز رویہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ابتلاء میں ہر شخص کو ڈال سکتا ہے، ہم میں سے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمزوری ایسی ضرور ہے جس پر اگر خدا تعالیٰ کی ستاری کی چادر نہ رہے تو دنیا کے سامنے ہمارا جو وجود ظاہر ہو وہ قابل نفرت ٹھہرے، اس لئے ایسے موقع پر استغفار کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے علاوہ ستاری طلب کرنی چاہئے اور جو لوگ ان واقعات میں ملوث ہوئے ان پر رحم کرنا چاہئے نہ کہ نفرت۔ ہاں جو معاملات قابل نفرت ہیں وہ قابل نفرت ہی ٹھہرتے ہیں۔ اس تفریق کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اپنے معاملات میں پیش نظر رکھا اور جماعت کو بھی اسی کی نصیحت فرماتے رہے کہ بعض باتوں سے نفرت ضروری ہے مگر انسانوں سے نفرت نہ کرو ان پر رحم کرو، ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

اس تمہید کے بعد اب میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جرمنی کی مجلس عاملہ ہو یا اس سے باہر اگر کوئی لوگ اپنی غلطیوں کی وجہ سے ایک غلط رویہ اختیار کر کے ناراضگی کا موجب ٹھہرے تو انہوں نے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت ہی غیر معمولی پاک تبدیلی کا نمونہ بھی دکھایا ہے۔ توبہ اور استغفار سے کام لیا اور کسی ایک کے متعلق بھی اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دل کی گہرائی کے ساتھ میں اسے معاف نہیں کر چکا۔ کلیۃً ان میں سے ہر ایک کے معاملات میں اب میرا دل صاف ہے۔ ایک دو ایسے مخلصین تھے جن کو ابھی تک بات پوری طرح سمجھ نہیں آ رہی تھی اور میں خطبہ میں اس اعلان سے پہلے ان کو سمجھانے کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ سمجھ جائیں تو پھر میں عمومی اعلان کر سکوں ورنہ یہ کہنا پڑتا کہ ایک دو کے سوا باقی سب ٹھیک ہو چکے ہیں۔ ٹھیک تو اللہ کے فضل سے وہ بھی تھے ہی دل کی گہرائی میں اخلاص

تھا لیکن بعض لوگوں کی طبیعت میں کچھ بحث مباحثے کی عادت ہوتی ہے، کچھ نکات ان کو سمجھ نہیں آ رہے ہوتے، ان پر تھوڑا سا وقت لگانا پڑتا ہے ان کو مختلف طریق پر سمجھانا پڑتا ہے۔ تو اب میں شرح صدر کے ساتھ یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے ان میں سے ہر ایک نے اپنے قصور کو سمجھ لیا، اپنی غلطیوں کو خود پہچان لیا اور آئندہ کے لئے سچے دل اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے اور آئندہ ہمیشہ ان کو اس قسم کی ٹھوکروں سے بچائے۔

اس کے علاوہ ان کے لواحقین کے متعلق اور دوستوں کے متعلق میں یہ خوشنودی کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں کہ بہت ہی عظیم الشان مثال قائم ہوئی ہے کہ جتنے بھی دوست میری ناراضگی کا مورد ٹھہرے تھے ان میں سے کسی ایک کے عزیز نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جماعت کا ساتھ دیا اور خلافت کے ساتھ اپنی کامل وفاداری کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ عملاً اس کے نمونے دکھائے۔ ساری دنیا میں جہاں جہاں بھی ان کے عزیز پھیلے پڑے ہیں ان میں ایک بھی استثناء نہیں بلکہ ہر ایک نے کھلے لفظوں میں واشگاف الفاظ میں مجھ پر اس بات کا اظہار کیا اور اپنی جماعت میں اپنے رویہ سے اس بات کو ثابت کیا کہ ہمارے بڑوں یا عزیزوں یا اقرباء کی غلطیاں تھیں، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ جو کارروائی کی گئی وہ سو فیصدی درست تھی اور ہم اس معاملے میں کامل طور پر خلافت سے وابستہ اور وفادار ہیں اور نظام جماعت سے وابستہ اور وفادار ہیں۔ پس یہ واقعہ اپنی ذات میں مکروہ سہی لیکن خدا تعالیٰ بعض دفعہ مکروہ باتوں میں سے حُسن کی باتیں نکال دیتا ہے اور مکروہ چیزوں سے خیر کے پہلو نکال دیتا ہے۔

تو یہ بھی جماعت کی تاریخ میں ایک اہم قابل ذکر واقعہ ہے کہ کسی پر یا کسی خاندان پر نہیں بلکہ بعض خاندانوں پر ابتلاء کا وقت آیا ہو اور ان تمام خاندانوں کے ہر فرد نے ثابت قدمی دکھائی ہو جن کو سزا دی گئی وہ بھی ثابت قدم ٹھہریں، ان کے تمام رشتہ دار ثابت قدم ٹھہرے اور کسی نے بھی ادنیٰ سی ٹھوکر کھا کر اپنے آپ کو داغدار نہیں کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ایسا عظیم واقعہ ہے جس کو ریکارڈ ہونا چاہئے تا کہ خطبے میں پہلے جو ان لوگوں کے متعلق کچھ تکلیف دہ باتیں جماعت کی تاریخ میں درج ہوگئی ہیں ان کا ازالہ بھی جماعت کی تاریخ میں درج ہو جائے جیسا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض صحابہ سے غلطیاں ہوئیں ان میں سے تین ایسے تھے جو عظیم کردار کے مالک

تھے۔ بہانہ بنا کر یا بات کو توڑ مروڑ کے وہ وقتی طور پر آنحضور ﷺ کی ناراضگی سے بچ سکتے تھے مگر انہوں نے سچائی کو قربان نہیں کیا، صاف گوئی سے کام لیا اور اس ناراضگی کو قبول کر لیا جس کے بعد ان کی زندگی ایک لمبے عرصے تک جہنم کا نمونہ بنی رہی۔ یعنی اذیت کے لحاظ سے جہنم کا نمونہ ویسے تو ان کے لئے ایک روحانی جنت تیار کرنے والی زندگی تھی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے انتظار فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کب ان کی بخشش کا اعلان ہوتا ہے اور اس انتظار فرمانے میں ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ تھی۔ ایک سے زائد حکمتیں پوشیدہ تھیں مگر ایک خصوصیت کے ساتھ ایسی حکمت ہے جس کا میں جماعت کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آنحضرت ﷺ اس عرصے میں خود ان کے لئے بے حد دکھ محسوس کر رہے تھے اور بار بار کن اکھیوں سے ان لوگوں کو دیکھتے بھی تھے اور ان آنکھوں میں کبھی بھی ان لوگوں نے نفرت نہیں دیکھی جن کے لئے سزا کا اعلان تھا بلکہ ہمیشہ محبت دیکھی۔ حضرت کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں تو ان آنکھوں کے سہارے زندہ تھا جو کبھی کبھی میری طرف اٹھتی تھیں۔ جب بھی میں نے ان کو دیکھا ان میں میں نے محبت دیکھی کبھی ایک دن بھی نفرت نہیں دیکھی اور وہی محبت کے صدقے تھے جو میری زندگی کا سہارا بنے ہوئے تھے۔ (بخاری) تو آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم کردار اس دور میں ظاہر ہوا کہ آپ فیصلے اپنے ذاتی خیالات اور رجحانات کی بناء پر نہیں کرتے بلکہ کلیۃً رضاء باری تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں ورنہ اتنی دیر خود کیوں اذیت محسوس کرتے رہے اور کیوں ان کو اس سے پہلے معاف نہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہو۔

دوسرا یہ کہ آنحضرت ﷺ کی معافی کے نتیجے میں ان لوگوں کی ہمیشہ کے لئے ایسی بریت نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ وحی الٰہی کے نتیجے میں ان کی بریت ہوئی کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ناراضگی ایک عام آدمی کی ناراضگی نہیں تھی، عام بزرگوں والی ناراضگی بھی نہیں تھی، خلفاء والی ناراضگی بھی نہیں تھی۔ آپؐ خلیفۃ اللہ تھے اور آپؐ کی ناراضگی اس شخص کے لئے جس سے آپؐ ناراض ہوں دنیا اور آخرت کی ہمیشہ کے لئے ہلاکت کا موجب بن سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی دلوں پر نظر ہے اور انبیاء کی بھی براہ راست اس طرح دلوں پر نہیں ہوتی جیسے خدا تعالیٰ کی نظر ہوتی ہے۔ انبیاء کی فراست عام انسانوں کی فراست سے بہت زیادہ روشن اور لطیف ہوتی ہے اس کے باوجود وہ دلوں کا کلیۃً حال نہیں جانتے۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے اعلان کا انتظار فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ ان کی ایسی

کامل بریت چاہتے تھے کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ان لوگوں کا نام عزت اور رحمت کے ساتھ یاد کیا جائے بجائے اس کے کہ ایک ایسے داغ دار شخص کے طور پر، ایسے داغ دار اشخاص کے طور پر جن کے اوپر داغ تو سچا لگا لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ کامل طور پر دھل گیا تھا کہ نہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ نے گنہگار سمجھتے ہوئے بھی اپنی رحمت اور مغفرت کے جذبے سے ان کو معاف کیا ہے یا اس گناہ کے داغ کو دھوڈالا ہے یا کالعدم سمجھا ہے۔

جب خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تو اس میں یہ شائبے باقی نہیں تھے۔ ان شائبوں کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے دلوں پر نظر رکھی اور یہ اعلان فرما دیا ہمیشہ کے لئے کہ ان کو معاف کیا جاتا ہے ان کے دل صاف ہو گئے ہیں۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (حوالہ۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔) وہ شخص جو گناہ سے سچی توبہ کرتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ پس اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی بخشش بعض دفعہ خدا تعالیٰ کی بخشش کے لئے ایک دعا بن جایا کرتی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ عرصہ جو آنحضرت ﷺ نے اس تکلیف میں گزارہ ہے کہ دل چاہتا تھا کہ معاف فرما دیں لیکن خدا پر معاملہ چھوڑ چکے تھے اور وہ عرصہ مسلسل ان لوگوں کے لئے دعا بنا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور تاریخی لحاظ سے وہ ہمیشہ کی زندگی پا گئے۔ اس سلسلے میں ان کے اپنے دل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ چنانچہ حضرت کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مجھے پتا چلا تو لوگ آنحضرت ﷺ سے صبح کے نماز کے وقت معافی کی خبر سن کر ان کی طرف دوڑے جا رہے تھے کہ ان کو اطلاع کریں لیکن کسی بلند آواز والے نے زیادہ حکمت اور ہوشیاری سے کام لیا۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر اس نے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا کہ اے فلاں اور فلاں اور اے فلاں اور فلاں خدا کے رسول نے تمہاری معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ کہتے ہیں یہ ایسی عظیم آواز تھی کہ کبھی زندگی میں پھر کسی اور آواز نے ایسا دل پر اثر نہیں کیا۔ پیشتر اس سے پیامبر پہنچتے یہ دوڑے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے اور حاضر ہو کر یہ سوال کیا ہے کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے معاف کیا ہے یا خدا نے معاف کیا ہے؟ آپؐ کی طرف سے ہماری بخشش ہوئی ہے یا اللہ کی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی وحی نازل ہوئی ہے، خدا کی طرف سے معافی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں اس وقت میرا دل

ایسا راضی ہوا جیسے کبھی کوئی دکھ محسوس نہ کیا ہو تو اس خاموشی اور اس دیر میں یہ بھی ایک حکمت تھی۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی براہ راست معافی کا تعلق ہے یہ واقعات شاذ و نادر کے طور پر تاریخی نمونے کے طور پر مثالوں کے طور پر ہوا کرتے ہیں روزمرہ کی زندگی میں ایسے نہیں ہوتے بلکہ انبیاء کی زندگی میں بھی میں نے سوائے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دور کے کسی اور نبی کے دور میں ایسا واقعہ نہیں پڑھا کہ خدا تعالیٰ نے کسی کو یا خدا تعالیٰ کے رسول نے کسی کو سزا دی ہو اور اللہ تعالیٰ نے براہ راست پھر اس کو معاف فرمایا ہو۔ یہ واقعات بریت اور معافی کے دو ہی ہیں جو صرف حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دور میں ظاہر ہوئے۔ بریت کے معاملے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بریت وحی کے ذریعے ہوئی اور وہاں بھی انتظار کی حکمت یہی تھی جو میں بیان کر رہا ہوں اور معافی کے سلسلے میں بھی حضرت کعبؓ اور ان کے ساتھیوں کی معافی وحی کے ذریعے ہوئی اور کسی نبی کے زمانے میں یہ واقعہ نہیں گزرا لیکن اس میں جو سبق ملتا ہے وہ سبق دہرایا جا سکتا ہے۔ پہلے بھی تاریخ اس سبق کو دہراتی رہی آئندہ بھی دہراتی رہے گی کہ اگر کوئی شخص للہ ناراض ہو اور شرح صدر کا انتظار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس عرصے میں دعا کرتا رہے تو بعید نہیں کہ جب اس کا دل معافی پر راضی ہو تو وہ خدا کی طرف سے ہی معافی ہو اور ضروری نہیں کہ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس معافی کا اعلان کرے مگر بسا اوقات شرح صدر کے ذریعے اور دل کو نرم اور ملائم کر کے اپنی طرف سے معافی کا اعلان فرما دیتا ہے۔ بس ہم دعا کرتے ہیں کہ آئندہ بھی جماعت کو اللہ تعالیٰ ان ٹھوکروں سے محفوظ رکھے اور اگر خدانخواستہ کوئی شخص ٹھوکر کھائے وہ بھی ایسے ہی نیک نمونے دکھائے اور جب اسے معافی ملے تو خدا کی طرف سے معافی ملے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل صاف اور پاک کئے جائیں۔

اس لمبے اعلان کے بعد جو جرمنی کے واقعہ سے تعلق رکھتا ہے اب میں واپس اس مضمون کی طرف لوٹتا ہوں یعنی دعوت الی اللہ کا مضمون جس کے متعلق خطبات کا ایک سلسلہ شروع ہے۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ ایک داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی ذات میں دلچسپی لے اور ذات میں دلچسپی لینا ایک تو انفرادی طور پر ہر شخص کے متعلق کوئی بھلائی کی بات سوچنا جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کوئی ایسی تعریف کر دینا جو واقعۃً اس شخص میں پائی جاتی ہو ایک یہ بھی ذریعہ ہے ذاتی تعلقات قائم کرنے کا اور کسی کی ذات میں دلچسپی لینے کا مگر ایک ذات میں دلچسپی لینے کا رجحان

ہوا کرتا ہے اور وہ رجحان خداداد رجحان ہوتا ہے لیکن اسے مزید صیقل کیا جاتا ہے اور مزید ترقی دی جاتی ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ میں یہ خداداد رجحان اپنے درجۂ کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اسی لئے آنحضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا۔ **رحمة للعرب، رحمة للعجم یا رحمة للمسلمین** نہیں فرمایا بلکہ رحمۃ اللعالمین۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر ایک میں دلچسپی تھی اور رحمت کے ساتھ دلچسپی تھی۔ ہر شخص کی بھلائی کے متعلق آپؐ کے جذبات قطعی طور پر اٹھتے تھے اور اس میں کسی کوشش یا ارادے کو دخل نہیں ہوا کرتا تھا از خود ہر ایک سے رحمت کے سلوک کو جی چاہتا تھا اور یہ مثال ہمیں انسانی رشتوں میں سب سے زیادہ ماں اور بچوں کے رشتے میں دکھائی دیتی ہے۔ قرآن کریم میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی کہ اگر تم میں سچا ایمان ہے تو ایمان کی اصل علامت یہ ہے کہ تمہیں خدا اور رسول سے اپنے ہر عزیز اور قریبی سے زیادہ محبت ہو اور زیادہ دلی تعلق قائم ہو جائے۔ اگر یہ نہیں تو تمہیں پھر ایمان کا پتا نہیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے مجھے رحمۃ للعالمینؐ کا حقیقی مفہوم سمجھ آیا۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہرگز جبراً کسی کو یہ نہیں فرما سکتا کہ تم فلاں شخص سے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ محبت کرو۔ یہ بالکل بے دلیل بات ہے اور غیر فطری بات ہے لیکن اگر خدا کے علم میں ہو کہ وہ شخص کسی سے اپنے عزیزوں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے اور جتنی اس سے قریب تر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں ان سے بڑھ کر ان سے محبت کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیر معمولی شفقت کا سلوک ہوگا کہ اس شخص سے متعلقہ کو بتا دے کہ دیکھو یہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ تمہارے قریب ترین عزیز اور اقرباء اور ماں اور باپ اور دوسرے رشتہ دار ویسی محبت تم سے نہیں کرتے۔ اس لئے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن: ۶۱) یہ دائمی قانون ہے جو یہاں بھی اطلاق پانا چاہئے اور تم میں بھی جواباً اس وجود سے ویسی ہی محبت کرنی چاہئے جیسی یہ تم سے محبت کرتا ہے۔ یہ سارا مضمون اس مضمون کے اندر داخل ہے، اس ہدایت کے اندر داخل ہے کہ اگر تم خدا اور رسول سے اپنے ماں باپ اور اقرباء سے بڑھ کر محبت نہیں کرتے تو تمہیں ایمان کا علم ہی کوئی نہیں کہ ایمان ہوتا کیا ہے۔ دراصل یہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کی رحمت کی گواہی تھی اور رحمۃ اللعالمین کا لفظ اس پہلو سے ایک حیرت انگیز لقب ہے اور ایسا بے مثل لقب ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کے بانی، کسی نبی، کسی ولی، کسی بزرگ کے متعلق آپ کی اپنی کتابوں میں بھی یہ

لقب درج نہیں پائیں گے۔ یہ ایک عجیب شان ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کی کہ اس شان میں خدا کا کوئی دوسرا نبی کسی علاقے کا کسی قوم کا کسی زمانے کا شریک نہیں ہے اور یہ وہ شان ہے جو تبلیغ کے لئے بڑی ضروری ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کے سپرد عالمی ذمہ داریاں کی گئیں۔ آپ سارے عالم کے لئے گہری سچی رحمت اپنے دل میں رکھتے تھے۔ ایسی گہری اور سچی رحمت جس سے بسا اوقات ماؤں کے دل بھی نا آشنا ہوتے ہیں اور ہر ماں سے بڑھ کر بنی نوع انسان سے خدا تعالیٰ کی مخلوق سے آپ محبت کرنے والے تھے اور تبلیغ کے لئے یہ دلچسپی ہے جو دراصل کام آتی ہے۔ مصنوعی دلچسپی کے ذریعے بھی ہیں اور ایک کوشش کرنے والے کو وہ بھی اختیار کرنے چاہئیں لیکن اگر وہ سچے ہوں۔ جیسا کہ میں نے مثال دی یہ ایک مصنوعی طریق ہے کہ کسی شخص کی خوبی معلوم کرو، اس کی تعریف کرو لیکن وہ سچی ہو۔ یہ کوئی طبعی طریق نہیں ہے، طبعی طریق وہی ہے کہ انسان رحمت ہو جائے۔ ہر دوسرے انسان میں فطرتاً اور قطعاً اس کے دل میں نرمی پائی جائے، شفقت پائی جائے، پیار کا جذبہ پایا جائے، اس کی بھلائی پر متلاشی رہے۔ جہاں کسی کو دکھی دیکھے، اس کا دکھ محسوس کرے اور اپنا دکھ مٹانے کی خاطر اس کی مدد کرے۔ یہ وہ حقیقت ہے نفسیاتی جس کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ کسی کا دکھ سمجھ کر اس کی مدد کرنا، بڑا مشکل کام ہے اور اسی لئے لوگ ایسے مشکل کام پر یا ہاتھ نہیں ڈالتے یا ہاتھ ڈالتے ہیں تو کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا بوجھ ہے جسے انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ غالب کہتا ہے:

؎ کون ہے جو نہیں حاجت مند
کس کی حاجت روا کرے کوئی (دیوان غالب:۔۔)

اگر کوشش کر کے، جدوجہد کر کے، عقل کو استعمال کر کے انسان لوگوں کے دکھ بٹانے کی کوشش کرے اور ان کی حاجت روائی کی کوشش کرے تو ایسا کام ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہے بہت ہی مشکل ہے لیکن اگر فطرتاً لوگوں کا دکھ اس کا دکھ خود بخود بن جایا کرے، لوگوں کے غم اس کے غم ہو جایا کریں، لوگوں کی تکلیفیں اس کی تکلیفیں بن جائیں تو اپنی تکلیف دور کرنے کی کون کوشش نہیں کرتا۔ اپنے غم دور کرنے کی کون کوشش نہیں کرتا؟ وہ تو ایک فطری تقاضا ہے اس کوشش میں لذت ہے، اس کوشش میں بوجھ نہیں ہوتا۔ پس ایسے لوگ جو فطرتاً دوسروں کے ہو جاتے ہیں اور طبعاً ان کے دکھوں کو اپنا لیتے ہیں اگر چہ آپ بیرونی آنکھ سے دیکھیں تو ان کو بہت زیادہ بوجھوں کے تلے دبا ہوا

محسوس کریں گے گویا وہ کچلے جا رہے ہیں۔ اب حیرت سے انسان دیکھتا ہے کہ کیسے انہوں نے ایسے ایسے مشکل کام سنبھال لئے، کیسے اتنے بڑے بڑے بوجھ انہوں نے اٹھا لئے مگر وہ نہیں جانتے کہ راز اس میں یہی ہے کہ وہ بوجھ ان کے ہوتے ہیں، ان کے اپنے بن جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اندر جو بوجھ اٹھانے کی صلاحیت موجود تھی اس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۳﴾

(الاحزاب: ۷۳) کہ دیکھو ہم نے ایک بہت بڑا بوجھ شریعت کا بوجھ، ساری بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی اور ان کو سنبھالنے کا بوجھ، ان کے لئے ابدی نمونہ قائم کرنے کا بوجھ، ان کے دکھ بانٹنے کا بوجھ، زمین، آسمان اور پہاڑوں کے سامنے رکھے کہ کون ہے جو ان بوجھوں کو اٹھانے کے لئے آگے آتا ہے مگر ہر ایک نے انکار کر دیا۔.....اور یہ سارے ان بوجھوں کے تصور سے ڈر گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ کون آگے آیا؟ محمد مصطفیٰ ﷺ۔ یہ انسان کامل تھا جو ان بوجھوں کو خوب شناخت کرنے کے بعد ان کو سمجھنے اور ان کی حقیقت سے آشنا ہونے کے بعد آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھا اور ان بوجھوں کو اٹھا لیا۔ کیوں ایسا ہوا؟ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا اس لئے کہ وہ اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا تھا۔ اور اپنے نفس پر ظلموں کے نتیجے میں وہ جھـــول بھی تھا یعنی اس کو پھر کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کیا مجھ پر گزر جاتی ہے۔ یہاں اس نفس کے ظلم کی بات ہو رہی ہے یہ وہی ظلم ہے جس کا میں رحمت کے سلسلے میں تعارف کروا رہا ہوں۔

جب انسان دوسروں کے غموں کو اپنا غم بنا لیتا ہے اور قطعاً بنا تا ہے تو وہ سارے ظلم جو دنیا پر ہو رہے ہیں اپنی جان پر کر رہا ہوتا ہے۔ اسی کا نام ظَلُوْمًا ہے۔ دوسروں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ دوسروں کے ظلم خود پر جھیل لینے والا۔ جو ظلم ساری دنیا کی طرف سے بعض مظلوموں پر توڑے جاتے ہیں ان ظلموں کا نشانہ اپنے وجود کو بنا لینے والا، اپنے دل کو بنا لینے والا یہ وہ ظَلُوْمًا ہے اور اس کے لئے چارہ ہی کوئی نہیں سوائے اس کے کہ آگے بڑھے اور ساری دنیا کے بوجھ اٹھائے کیونکہ وہ بوجھ پہلے ہی اس کا دل اٹھا چکا ہے۔

تو شریعت کے مفہوم کے سوا بھی اس کے معنے ہیں۔ شریعت کا بوجھ اٹھانا اپنے اندر ایک بڑا

مضمون رکھتا ہے لیکن ظلوم کے لفظ سے پتا چلا کہ آنحضرت ﷺ دل کی شفقت اور رأفت کے لحاظ سے ایک ایسے درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے جہاں بہت کم انسانوں کی نظر پہنچتی ہے اور طبعاً اور فطرتاً آپ لوگوں پر ہونے والے ظلموں اور ستموں اور دکھوں کو از خود اپنا لیا کرتے تھے اور اسی لئے آپ ان کے لئے غمزدہ رہتے تھے۔

پس یہ وہ جذبہ ہے جو مبلغ کے لئے ضروری ہے اور کامیاب دعوت الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ انسان اس قسم کا طرز عمل اختیار کرے۔ پس طبعاً اور فطرتاً میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کو خدا نے جذبہ دیا ہوا ہے لیکن یہ جذبہ بعضوں میں چمک جاتا ہے بعضوں میں چمکتا نہیں اور اگر اس جذبے کے تقاضوں کو آپ نظر انداز کرتے رہیں تو رفتہ رفتہ دل پتھر بننے لگتا ہے اور بعض دفعہ ایسے لوگ پھر پہچانے بھی نہیں جاتے۔ آدمی یقین ہی نہیں کرسکتا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو فطرتاً اللہ تعالیٰ نے رحمت اور رأفت عطا فرمائی تھی کیونکہ بداعمالیوں کی وجہ سے بار بار جرائم کی وجہ سے دلوں پر زنگ لگنے لگ جاتے ہیں اور فطرت کی سچائی دنیا کے گردوغبار سے اٹ جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ گردوغبار کی تہیں جم جم کر سخت ہونے لگتی ہیں جس کو پنجابی میں کھرنڈ کہتے ہیں۔ ایسے کھرنڈ آنے شروع ہو جاتے ہیں ان کے اوپر یعنی تہیں جو آہستہ آہستہ سخت ہو جاتی ہیں، پھر وہ منجمد ہو جاتی ہیں، پھر وہ Fossilize ہو جاتی ہیں، پتھر سی بن جاتی ہیں۔ انسان کی تھوڑی سی زندگی میں یہ سارے ادوار گزر جاتے ہیں اور بعض دفعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بنی نوع انسان میں یہ جذبہ ہی نہیں ہے حالانکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس لحاظ سے کوئی استثنائی چیز نہیں ملی تھی کہ آپؐ کو تو رحمت والا دل دے دیا اور سارے لوگوں کو بنی نوع انسان کو پتھر دل عطا کر دیئے یہ درست نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو آنحضور ﷺ کا کوئی امتیاز نہ باقی رہتا۔ پھر ہم یہ کہتے کہ خدا نے آپؐ کو تو دے دیا تھا نرم دل باقی لوگوں کو نہیں دیا اب اس میں لوگوں کا کیا قصور اور آپؐ کا کیا شرف؟ سب کو دل اپنی کیفیت کے لحاظ سے پیدائشی طور پر ایک ہی جیسے دل ملتے ہیں۔ بعض لوگ ان دلوں کی خوبیوں کو چمکاتے ہیں، بعض ان خوبیوں پر مٹی ڈالنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ خوبیاں مٹ جاتی ہیں اور غلط قسم کے پتھر دل جیسے نمودار ہو جاتے ہیں۔

پس جماعت احمدیہ کو اس بات پر کامل یقین ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ

صلاحیت ضرور بخشی ہے کہ لوگوں کے غموں کو اپنا لیں۔ ماں بچے کے غم کو کیوں اپناتی ہے اگر اس کے اندر یہ صلاحیت نہ ہوتی۔ باپ اپنی اولاد کے غم کو یعنی وہ باپ جو نرم دل رکھتے ہیں اپنی اولاد کے غم کو کیوں اپناتے ہیں؟ بعض بہن بھائی ایک دوسرے کے غم کو اتنا محسوس کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ کتنا گہرا قرب کا رشتہ ہے۔ تو جب انسانی رشتوں میں یہ مثال سامنے آتی ہے تو صاف پتا چلتا ہے کہ ہر انسان کو فطرتاً یہ صلاحیت ضرور عطا کی گئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ رشتوں کے دائرے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ خونی رشتوں سے بڑھ کر باہر نکل کر انسانوں کے ساتھ تعلقات کو قائم کرنے اور اس سلسلے میں اپنے نفس کو تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ انسان کی دبی ہوئی صلاحیتیں پھر اجاگر ہونے لگتی ہیں اور جو چیز فطرتاً عطا ہوئی ہے لیکن غفلت کی وجہ سے وہ مٹ سی گئی ہے اس کے نقوش پھر خدا کے فضل ابھرنے لگتے ہیں اور انسان کے اندر رحمت کا جذبہ بڑھتا رہتا ہے۔ ایسا شخص جو اس رحمت کے جذبے کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ سخت دل ہونے لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسے سفاک لوگ بھی دیکھے جاتے ہیں جو اپنے بچوں پر ظلم کرتے ہیں، اپنی بیویوں کو نفرت کا نشانہ بناتے ہیں، اپنے گھر میں ایک جہنم بنا دیتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ گھر رحمت اور تسکین کا موجب بنے ان گھروں میں ہر سینے میں آگ بھڑک رہی ہوتی ہے اور ایسے بعض بدنصیب لوگ احمدیوں میں بھی ابھی تک موجود ہیں۔ بعض بچے مجھے خط لکھتے ہیں بڑے دردناک کہ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کہاں جائیں، کیا کریں؟ جو ماں کے ساتھ ہم نے بچپن سے ظلم ہوتے دیکھے اور پھر بڑے ہو کر ہماری طرف ان ظلموں کے رخ پھیرے گئے، ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ باپ ہوتا کیا ہے اور وہ کیسے باپ ہیں جو بچوں سے پیار کرتے ہیں، اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہیں؟ شاذ شاذ خط اس مضمون کے بھی آتے ہیں اور میں حیران رہ جاتا ہوں کہ اس احمدیت کا کیا فائدہ جس احمدیت کے نتیجے میں ایک انسان انسان ہی نہ بن سکے۔ اس کو وہم ہے کہ اس نے وقت کے مامور کو پہچانا اور قبول کیا کیونکہ جو شخص وقت کے مامور کو پہچانے اور قبول کرے اس کے اندر اتنی پاک تبدیلیاں لازماً ہونی چاہئیں کہ وہ جانوروں سے انسان بننا شروع ہو جائے اور رفتہ رفتہ اس کے اخلاق ترقی کریں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر روحانیت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ روحانیت کا مضمون تو بہت بعد کا مضمون ہے۔ یہ لطیف فضاؤں کا مضمون ہے۔ جو شخص زمین کی سطح پر بھی چلنا نہیں جانتا بلکہ دھنس رہا ہے بیچ میں اس کے متعلق

یہ خیال کر لینا کہ یہ روحانی پرندہ بن کر آسمان روحانیت پر پروازیں کرے گا یہ تو بالکل پاگلوں اور جاہلوں والی باتیں ہیں اس لئے حقیقت شناس بنیں۔

ایسے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھائیں اگر شروع میں صبر نہیں تو جبراً ان اخلاق کو اختیار کریں کہ رفتہ رفتہ آپ کے اندر وہ صلاحیتیں بیدار ہو جائیں جن صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما رکھا ہے۔ آپ کو عطا فرمائی ہوئی ہیں اور ہر شخص کو عطا فرمائی ہوئی ہیں۔ سفر کے رُخ کی بات ہے۔ اگر آپ نرمی اور رحمت اور شفقت کی سمت میں سفر اختیار کرنا شروع کریں گے تو رفتہ رفتہ یہ سفر آگے بڑھتا چلا جائے گا اور آپ کے اندر حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پیدا کرتا چلا جائے گا۔ آپ اپنوں کے بھی منظور نظر ہوتے چلے جائیں گے، غیروں کے بھی منظور نظر ہوتے چلے جائیں گے۔ غیر آپ کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ آپ کو ان میں دلچسپی ہے۔ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ ان کی ذات کی خاطر اور جہاں تک آپ کے دل کی کیفیت ہوگی آپ یہ نہیں سمجھیں گے کہ آپ کسی پہ احسان کر رہے ہیں بلکہ آپ جانتے ہوں گے کہ آپ پر اپنی ذات پر یہ احسان ہے۔ ماحول کا دکھ آپ کا دکھ ہے۔ آپ کو چین نصیب ہی نہیں ہوسکتا اگر کوئی اور دکھ میں مبتلا ہے۔ تو عجیب یہ رشتہ قائم ہوتا ہے جو مذہبی تعلیم کے سوا انسانی تصور سے بالا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجے کی پاک تعلیم ہے جو قرآن کریم میں ملتی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوہ کی صورت میں ہم پر ظاہر ہوئی ہے اور ہمارے دل و دماغ کو اس نے روشن کر دیا ہے۔ نئے زاویوں سے ہمیں انسانیت کی تعلیم دی اور نئے زاویوں سے ہمیں انسانی خلق کو دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پس یہ رخ اختیار کریں یعنی اپنی خداداد صلاحیتوں کو چمکانے اور صیقل کرنے اور لطیف تر بنانے کا رخ اختیار کریں تو رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کو وہ مقام عطا ہو جائے گا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کہ جہاں دنیا آپ کو اس طرح دیکھے گی کہ آپ ان کے محسن اعظم ہیں اور آپ اس طرح دنیا کی طرف دیکھیں گے کہ گویا آپ نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ جو بھی احسان کر رہے ہیں اپنی ذات پر کر رہے ہیں اور اگر کوئی جزاء مل رہی ہے تو خدا کی طرف سے تحسین کی نظروں کی صورت میں مل رہی ہے۔

یہ وہ اعلیٰ درجے کا مرتبہ ہے جس کے نتیجے میں ایک داعی الی اللہ کی آواز میں غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، غیر معمولی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص تھوڑی باتیں بھی کرے اس کے

زیادہ پاک اثرات ظاہر ہوتے ہیں ورنہ ان خصلتوں کے بغیر انسان جتنی مرضی چالاکیوں سے کام لے، جیسی چاہے تقریریں کرے اس کو ہدایت دینے کی توفیق نہیں مل سکتی۔ پس اس مضمون کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں **من یھد اللہ فلا مضلہ** اصل ہدایت خدا کی طرف سے آتی ہے اور اس مضمون کا اس آیت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

اللہ جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو کس طرح ہدایت دیتا ہے؟ آنحضرت ﷺ کو جیسے ہدایت دی اور دوسروں کی ہدایت کا موجب بنا دیا۔ جو طریق آپؐ نے اختیار کئے ان طریقوں کو اختیار کرنے کے نتیجے میں آپؐ کو ہدایت دینے کی صلاحیتیں عطا ہو گئیں۔ پس وہ ہدایت خدا ہی کی طرف سے تھی لیکن جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قرب کی سعادت پا گیا آپ کے ذریعے خدا نے اس کو ہدایت دی لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیشہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے **و من یضللہ فلا ھادی لہ** اگر اللہ کسی کو رسوا اور گمراہ کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کا بہترین طریق یہی ہے کہ انسان خود ہدایت یافتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کرے، اللہ تعالیٰ سے فیض خیر حاصل کرے، اخلاق فاضلہ کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو لیکن اس کے باوجود بعض بدنصیب ایسے ضرور ہوں گے جن میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوگی کیونکہ وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقوں سے اتنا دور ہٹ چکے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ہدایت قبول کرنے کا مادہ ہی باقی نہیں رہتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے۔ یہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھے ہو جاتے ہیں لوگ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو مارتے رہتے ہیں جہاں ان کے مقابلے پر نیک لوگ اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ ان پر وہی مضمون صادق آتا ہے۔ **وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا** (الشمس: ۱۱)۔ کہ وہ شخص ہلاک ہو گیا، نامراد ہوا جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو دفنانا شروع کر دیا اور زمین میں گاڑنے لگ گیا بجائے اس کے کہ نشوونما دیتا اور ترقی دیتا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کا نور جاتا رہا مثلاً وہ دیکھنے سے عاری ہو گیا۔ فرمایا ایسی صورت میں جب ایک انسان دیکھنے سے عاری ہو جائے تو ایک سورج چھوڑ ہزار سورج چمکا کریں اس نابینا کو کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ پس ہدایت دوطرفہ مضمون ہے لیکن جہاں تک آپ کی بات کا تعلق ہے آپ کو چمکنا تو چاہئے۔ اگر آپ نہیں چمکیں گے تو مضمون ایک اور رنگ میں ظاہر ہوگا

کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں تو ہیں لیکن نور ہی نہیں چمکا تو وہ بیچارے کیا کرتے۔ پس جہاں تک ایک احمدی کی ذات کا تعلق ہے اسے ضرور چمکنا چاہئے، اسے ضرور روشن ہونا چاہئے۔ اسے ایسا بننا چاہئے کہ اگر کوئی آنکھ رکھتا ہو تو پھر کم سے کم وہ آنکھ والا ضرور ہدایت پا سکے اور پھر خدا سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیدہ ور عطا کرا یسے روشن ضمیر انسان عطا کر جو اس روشنی سے فائدہ اٹھائیں جو تو نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

پس اس رنگ میں تمام عہدیداران کو چاہئے کہ اپنے نفس کا بھی محاسبہ کریں اور اپنے نور ہدایت کو چمکائیں اور جو داعین الی اللہ ہیں ان پر نظر رکھیں۔ بعض دفعہ ان کو خود اپنے بعض نقائص نظر نہیں آئیں گے، بعض بدخلقیاں ان کی اپنی نظر سے اوجھل رہیں گی لیکن اگر دعوت الی اللہ کا سیکرٹری بیدار مغز ہو اور ان باتوں کو سمجھ کر جو میں بیان کر رہا ہوں داعین الی اللہ کی تربیت کا پروگرام بنائیں تو اسے مزید دلچسپی لینی پڑے گی اور وسیع دلچسپی لینی پڑے گی، یہ دیکھنا پڑے گا کہ ایک دعوت الی اللہ کرنے والے میں کیا کیا کمزوریاں ہیں اور پیار اور محبت سے اس کو سمجھانا ہوگا، اس کو بتانا ہوگا کہ تم تو اپنے گھر میں ہی اچھے اخلاق کے نہیں ہو تو تمہاری باہر کون سنے گا۔ کچھ اپنی حالت بہتر بناؤ، کچھ لوگوں کے مرغوب نظر بننے کی کوشش کرو، کچھ اپنے اندر کشش پیدا کرو اور وہ کشش تبھی پیدا ہوگی جب تم لوگوں میں دلچسپی لو گے، گہری دلچسپی لو گے، ان سے ہمدردی کا سلوک کرو گے، ان سے پیار کا سلوک کرو گے۔ اس طریق پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے دعوت الی اللہ کرنے والوں کے کام میں غیر معمولی برکت پڑے گی۔

انفرادی طور پر نظر رکھنے کا کام کیونکہ بہت مشکل کام ہے یعنی اگر کسی کو شوق ہو ان کاموں کا تو اس کے لئے مشکل تو نہیں لیکن وقت کی مجبوری ہے اور ایک سیکرٹری دعوت الی اللہ یا سیکرٹری اصلاح وارشاد جو ایک بڑے ملک کے مرکزی عہدے پر فائز ہے اس کے لئے الگ الگ ممکن ہی نہیں ہے کہ تفصیلاً ہر ایک کے معاملات پر اس طرح گہری نظر رکھے جس طرح میں بیان کر رہا ہوں تو اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ مقامی سیکرٹریاں کی تربیت کی جائے، ان کو سمجھایا جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ تم جو ہمیں رپورٹیں بھیجتے ہو کہ ہمیں پتا لگ جائے اتنے لوگ دعوت الی اللہ کر رہے ہیں یہ کوئی طریق نہیں ہے۔ تم ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کا کھاتہ بناؤ، اس کا ایک رجسٹر رکھو اور اس سے ہر

ہفتہ رپورٹ لیا کرو اور بوجھ نہ ڈالو بلکہ ہلکے طریق پر پوچھ لیا کرو کہ کیا اس دفعہ کوئی تجربہ ہوا، کوئی کام ہوا کہ نہیں؟ اگر زیادہ بوجھ ڈالو گے، زیادہ مطالبے شروع کر دو گے تو وہ بھاگنا شروع ہو جائے گا تم سے اس لئے پیار محبت سے ہلکا ہلکا یاددہانی کرواتے رہو اور اس کے کوائف کا ہر ہفتے اندراج کرواور اس طرح ہر شخص پر باقاعدہ کھاتہ بننا چاہئے کہ اندراج کرنے کے بعد پھر ایک ایسا خانہ رکھو جس پر یہ درج کرو کہ ان معلومات سے میں نے کیا فائدہ اٹھایا ہے یا ان معلومات کو حاصل کرنے کے بعد شخص متعلقہ کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر ان کاغذی اندراجات کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہو گی۔ ایسے اندراجات سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو جایا کرتے ہیں اور ایسے اندراجات فائلوں میں دب کر نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ لکھنے والا سمجھتا ہے کہ میں نے فرض ادا کر دیا مگر اس فرض کی ادائیگی کا فائدہ کوئی نہیں پہنچتا۔

پس مومن کے وقت کی بڑی قیمت ہے۔ فضول کاموں سے اس کو بچنا چاہئے یعنی اپنے کاموں کو فضلول نہیں ہونے دینا چاہئے۔ یہ بھی تو اس کا مطلب ہے۔ پس ہر کام کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنی چاہئے۔ میرے ذہن میں جو نقشہ ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً اگر میرے سپرد کئے جائیں چند داعین الی اللہ۔ میں ان سے ہر ہفتے رابطہ رکھوں گا ان سے پوچھوں گا کہ بتاؤ تم نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا تو ان کو بعض مشورے دے دوں گا..... اچھا یہ کر کے دیکھ لیں، فلاں چیز آزما لیں۔ یہ پوچھ لوں گا مثلاً کہ آپ کے کوئی دوست آپ کے پاس آتے جاتے ہیں، ان کے پتے مجھے دے دیں میں ان کو کچھ لٹریچر بھجوا دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے آپ کے اور ان کے درمیان ایک شرم حائل ہو لیکن جب میں بھیجوں گا تو وہ شرم ٹوٹ جائے گی وہ خود آپ سے پوچھنا شروع کر دیں گے۔ یہ ایک مثال ہے ایسی اور بہت سی باتیں سوچی جاسکتی ہیں اور ہر شخص کے حالات کے مطابق الگ الگ بات ذہن میں آسکتی ہے۔ تو پہلی بات تو یہ کہ رابطے کے معاً بعد سیکرٹری کو یہ بتانا چاہئے کہ اسے اس رابطے کے نتیجے پر غور کرنا چاہئے۔ اس کے اندراجات کرنے چاہئیں اور یہ سوچنا چاہئے کہ میں اب اس سے کیا فائدہ اٹھاؤں گا اور کس طرح کسی کو فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر اس اندارج کے بعد اپنا لائحہ عمل درج کریں کہ فلاں داعین الی اللہ ہے اس کی یہ رپورٹ ہے یا چند ہفتوں سے میں دیکھ رہا ہوں یہ حالت ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس طریق پر اسے عملاً بیدار کیا جاسکتا ہے اور فعال بنایا جاسکتا ہے۔ پھر اس کا فرض

ہے کہ اس کے متعلق اپنے بالا افسر کو بھی رپورٹ کرے۔ بجائے اس کے کہ یہ کہے کہ دعوت الی اللہ کا کام ہو رہا ہے اس کو تفصیل سے بتائے کہ میں نے اس اس رنگ میں فلاں فلاں شخص میں دلچسپی لی ہے اب تک مجھے وقت مل سکا ہے اس لئے میں انفرادی طور پر انتوں کی طرف توجہ کر چکا ہوں، یہ مسائل میرے سامنے آئے ہیں، اس طرح میں نے ان کا حل تجویز کیا ہے۔ اگر آپ اس سے بہتر مجھے کوئی طریق بتا سکتے ہیں تو میری راہنمائی کریں۔ غرضیکہ انفرادی رابطہ اور انفرادی رابطے کے نتیجے میں معلومات جو حاصل ہوں ان پر مزید غور اور معین لائحہ عمل بنانا یہ سیکرٹری اصلاح وارشاد کا کام ہے اور اس رنگ میں میں سمجھتا ہوں کام کرنے والے شاید دنیا میں ہی کوئی نہ ہوں کیونکہ جہاں تک میری معلومات ہیں مجھے ایک لمبا عرصہ تجربہ ہوا ہے مختلف عہدوں میں سلسلے کی خدمت کرنے کا اور تبلیغ کے متعلق میں ہمیشہ گہری نظر سے جائزہ لیتا رہا ہوں۔ میں نے کبھی آج تک اپنی زندگی میں کسی سیکرٹری تبلیغ کو اس طرح فعال نہیں دیکھا۔ سیکرٹری مال بہت فعال ہوتے ہیں۔ انہوں نے تو ساری جماعت کا بوجھ سر پہ اٹھایا ہوتا ہے، دوڑے پھرتے ہیں ان کو تو ہوش ہی نہیں رہتی۔ بعض ایسے ہیں جو صبح دفتر سے جا کر سیدھا اپنے مال کے دفتر پہنچتے ہیں اور بعض دفعہ گھر بارہ بارہ بجے تک نہیں آئے تو اس لئے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو سمجھ لیا ہے۔ اپنی جان سے لپٹا لیا ہے اس ذمہ داری کو۔ ان کو چین نہیں مل سکتا جب تک اس کو ادا نہ کریں۔ دعوت الی اللہ کے کام میں ابتدائی کام پہ بھی غور ضرور ہوتا ہے۔ ابھی زمین تیار کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زمین کے اوپر ہل چلائے جاتے ہیں، اس کو نرم کیا جاتا ہے، گھاس پھوس سے اس کو پاک کیا جاتا ہے، سہاگے پھیرے جاتے ہیں سو کام ہیں کرنے والے۔ ابھی جماعت کی دعوت الی اللہ کی زمین پر اس طرح محنت کی ضرورت ہے۔ اگر ایک دفعہ امراء اور متعلقہ عہدیداران اس رنگ میں محنت کر لیں گے تو بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس زمین میں بہت پیداوار ہوگی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کو کام کا طریقہ سکھاؤ ایک دفعہ رستہ چلنا بتا دو۔ تھوڑا سا انگلی پکڑ کے ساتھ لے جانا پڑے گا۔ ایک دفعہ وہ چل پڑے تو پھر دوڑنے لگیں گے انشاء اللہ۔ پھر وہ آپ کی انگلیاں اس لئے نہیں پکڑیں گے کہ آپ ان کو چلائیں ہوسکتا ہے کہ اس لئے پکڑیں کہ آپ ان کے ساتھ تیز چلیں اور میں نے دیکھا ہے کہ جب بیداری پیدا ہوتی ہے تو جماعت میں اس قسم کے عظیم الشان نمونے ظاہر

ہوتے ہیں۔

اب میں اگلا سوچ رہا ہوں کہ وقت ہو گیا ہے تو اگلا پوائنٹ بعد میں شروع کریں انشاء اللہ۔ میرا خیال ہے بعض نکات ہیں وہ انشاء اللہ اگلے خطبے میں پیش کروں گا کیونکہ اتنا تھوڑا وقت رہ گیا ہے میرا خیال تھا اڑھائی بجے تک ختم کروں گا۔ ایک دو منٹ رہتے ہیں اور اس عرصے میں بات شروع کی ہوئی ختم نہیں ہو سکے گی اس لئے آج کا خطبہ یہیں ختم کرتا ہوں اور آخر پر صرف اس دعا کی تحریک کرتا ہوں کہ دعا کریں کہ جو دعوت الی اللہ کے سلسلے میں ضروری باتیں ہیں اللہ تعالیٰ وہ مجھ پر بھی خوب روشن فرمائے اور جماعت بھی ان کو سن کر ان کی حقیقت سے آشنا ہو، وہ باتیں ان کے دل و دماغ میں گونجیں اور سرائیت کر جائیں اور جگہ پا جائیں اور جس طرح بیج اچھی زمین میں داخل ہو کر جڑ پکڑتا ہے اور شاخیں نکالتا ہے اس طرح یہ باتیں جماعت کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ جائیں اور شاخیں نکالیں اور دیکھتے دیکھتے جماعت میں دعوت الی اللہ کی کھیتی ہری بھری ہو جائے اور ساری دنیا سے خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے سائے دراز ہو جائیں خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین